نبی کریم ﷺ کے فرائضِ منصبی!

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

قرآن حکیم نے چار مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:

۱:- آیات پڑھ کر سنانا۔

۲:- تزکیہ کرنا، یعنی کفر وشرک، بدعملی وبداخلاقی اور اُمورِ جاہلیت سے ان کو پاک وصاف کرنا۔

۳:- کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم دینا اور اس کے مضامین کی تشریح کرنا۔

۴:- حکمت ودانائی، احکام کے علل وغایات اور شریعت کے اُصول ومقاصد کی تعلیم دینا۔

تزکیہ سے مراد عقائد ونظریات اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی ہے۔ قرآن کریم نے تین مقامات پر تزکیہ کا ''تعلیم'' سے مقدم ذکر فرمایا، جس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقدرِ ضرورت تزکیہ تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے۔ تعلیم اسی وقت مفید اور بارآور ہوسکتی ہے، جب کہ قلوب میں اس کے قبول کرنے کی اہلیت اور جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہو، زمین کو پہلے کاشت کے قابل بنایا جائے، پھر تخم ریزی کی جائے، ورنہ وہی کیفیت ہوگی جو عارف شیرازیؒ نے فرمائی:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ تزکیہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے فیضانِ صحبت اور مکارم اخلاق سے حاصل ہوتا تھا اور اب بھی بقدرِ استعداد اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ربط وتعلق اور ان کی صحبت اور مجالست سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تعلیمِ کتاب وحکمت سے بھی اصل مقصود تزکیہ ہے، یہ نہ ہو تو ساری تعلیم بے کار ہے۔ اعمال واخلاق کے بغیر نرے علوم ومعارف کی حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر

نہیں۔ آدمی ساری دنیا کی کتابیں چاٹ لے، لیکن اگر انسانی اخلاق اور ایمانی اعمال نہیں، تو پڑھا لکھا جانور تو ہوسکتا ہے، مگر انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

تزکیہ کے بغیر نہ ایمان میں رسوخ کی کیفیت اور یقین واطمینان کی قوت پیدا ہوگی، نہ اخلاق درست ہوسکیں گے، نہ اخلاص کی دولت ملے گی، نہ اعمال پر مداومت نصیب ہوگی، نہ اندر کا فرعون (مکار نفس) ہلاک ہوگا، نہ مخلوق سے لڑائی بند ہوگی:

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ''**تعلمنا الإیمان ثم تعلمنا القرآن**'' (سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فی الایمان، ص: ۷، ط: قدیمی) کہ ''ہم نے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا'' یہ ایمان کا سیکھنا ہی تزکیہ کہلاتا ہے کہ قلب غیر اللہ کے بتوں سے پاک ہو، اعمال ریا وغیر سے پاک ہوں اور نفس کمینے اخلاق سے پاک ہو، معاشرہ اُمورِ جاہلیت سے پاک ہو، کمائی حرام اور مکروہ ذرائع سے پاک ہو، وغیر ذلک۔

یہی تزکیہ تھا جس کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی بشارتوں سے نوازا اور اُنہیں آسمانی وحی کی شہادت اور سند ملی۔ سورۂ فتح میں ان کے امتیازی اوصاف ذکر کرتے ہوئے ایک وصف باہمی رحمت وشفقت ذکر کیا گیا ہے: ''**رحماء بینھم**'' یہ وصف کامل تزکیہ کے بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے اور اسی کو نہ سمجھنے کی خرابی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پہلا وصف یہی بیان فرمایا: ''**أبرھم قلبا**'' کہ ان کے دل بہت پاک صاف تھے، دوسرا وصف بیان فرمایا: ''**وأعمقھم علمًا**'' ان کا علم بڑا گہرا تھا، تیسرا وصف بیان فرمایا: ''**وأقلھم تکلفا**'' ان کی زندگی تکلفات اور تصنع سے پاک تھی۔ (مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ج: ۱ ص: ۳۲، ط: قدیمی)

حضراتِ صوفیاء اور اشاعتِ دین

حضرات صوفیا کرام (رحمہم اللہ) جن کے ذریعہ دین کی تبلیغ واشاعت سلاطین کی تلوار اور علماء کے قلم سے بھی زیادہ ہوئی ہے، ان کا خاص موضوع یہی ہے کہ نفوس کی تربیت اور اخلاق کا تزکیہ کیا جائے۔ ان کے یہاں بھی تربیت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے جذب ہو، پھر سلوک، اسی کا نام مجذوب سالک رکھتے ہیں، بظاہر یہ طریقہ اقرب الی القرآن ہوگا۔

البتہ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ جہاں آنحضرت ﷺ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے، آنحضرت ﷺ کے ان چار مناصب میں سے تزکیہ کو کتاب وحکمت کی تعلیم کے

بعد سب سے آخر میں رکھا ہے۔ اس سے ایک تو اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا اول و آخری مقصد تزکیہ ہے۔ دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ تزکیہ بقدرِ ضرورت تو تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے، مگر کامل تزکیہ کی نوبت علم کے بعد ہی آسکتی ہے، یعنی علم کے بعد عمل ہوگا اور علم ہی ذریعہ بنے گا عمل کا، گویا اس آیت میں تربیت کا دوسرا طریقہ بیان فرمایا ہے جو حضرات صوفیہ کے یہاں سالک مجذوب کہلاتا ہے، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں، کسی کو تعلیم کے بعد بھی تزکیہ کی ضرورت رہتی ہے اور کسی کو تزکیہ کے بعد تعلیم کی حاجت ہوتی ہے، نہ تزکیہ کے مراتب ختم ہوتے ہیں، نہ تعلیم کی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا منصب صرف تعلیم اور سمجھانا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کی تعمیل کرانا اور قوم کو ایک باعمل امت بنانا بھی تھا، جب تک آنحضرت ﷺ کے دیئے ہوئے نقشہ کی مطابق تعلیم وتربیت پر محنت نہیں ہوتی اور افراد کی اصلاح کے ذریعہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں نہیں آتا، سیاسی محنت صحیح طریق پر بارآور نہیں ہوگی اور تمام قوتیں شر وفساد کی نذر ہوجائیں گی۔

اسلامی سیاست اور موجودہ سیاست

دینی تربیت کے فقدان ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ باوجودیکہ تمام زعماء اور سیاسی لیڈر اسلامی خدمت کا اعلان فرمارہے ہیں اور ملک وملت کی صحیح نمائندگی کا دم بھرتے ہیں، یقیناً ان میں سے بعض حضرات مخلص بھی ہوں گے اور وہ اسلام کے نام کو محض اقتدار طلبی کے لیے استعمال نہیں کرتے ہوں گے، لیکن ان اسلامی نمائندوں کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ جس اسلام کا ہم نام لیتے ہیں، اسی اسلام نے سیاست کے بھی کچھ آداب تجویز کیے ہیں اور بے ہنگم سیاست بازی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، مثلاً موجودہ سیاست کی بنیاد ہی اس بات پر قائم ہے کہ ایک شخص اقتدار طلبی کے لیے کھڑا ہو، اپنی پارٹی بنائے، اپنا پروگرام قوم کے سامنے رکھے اور قوم سے اپیل کرے کہ اس کو ووٹ دے کر کرسی اقتدار پر فائز کیا جائے، اس کے بعد وہ جانے اور قوم کے مسائل۔

اب دیکھئے کہ اسلام اقتدار طلبی کے مزاج ہی کی جڑ کاٹ دیتا ہے، اسلام اقتدار کی خواہش کو پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ ذمہ داری معاشرہ پر ڈالتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو آگے لائے جو: ''لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا'' (القصص:۸۳) ''جو نہیں چاہتے زمین میں اونچا ہونا اور نہ فساد'' کے معیار پر پورے اُتریں۔ آنحضرت ﷺ کسی ایسے شخص کو جو عہدہ کی درخواست لے کر آئے عہدہ نہیں دیتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور منتیں کر کر کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو عہدے دیئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو عہدۂ قضاء کی پیش کش کی، انہوں نے انکار کیا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے باپ نے بھی تو قبول کیا تھا؟۔ عرض کیا: ان میں ہمت ہوگی، مجھ میں

نہیں۔ امیر المؤمنینؓ نے منت وسماجت کی، مگر ان کی معذرت غالب آ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہت اچھا، مگر کسی اور کو نہ بتانا، ورنہ کوئی بھی اس کے لیے آمادہ نہ ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جامع مسجد دہلی میں وعظ تھا جس میں ایک انگریز بہادر بھی موجود تھا، تقریر کے بعد اس نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت کیوں جاتی رہی؟ کسی نے کچھ جواب دیا، کسی نے کچھ، اس نے کہا: میں بتاتا ہوں کہ اصلی وجہ یہ تھی کہ اس منصب کے اہل لوگوں نے اس سے گریز کیا اور نااہل لوگ اوپر آ گئے اور یہی نااہلی زوال سلطنت کا باعث بنی۔

مسلمانوں کی نمائندگی

ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ قحط الرجال میں جس میں انسانوں کی تو افراط ہے، مگر آدمی بہت کم ہیں، نہ اسلام کا معیاری معاشرہ ہے، نہ معیاری نمائندے مل سکتے ہیں، لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ جو لوگ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ لے کر اُٹھیں، ان میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی، دینی شعائر کا احترام، اسلام کے ضابطۂ حیات پر کامل اذعان اور اسلامی اخلاق واعمال پائے جائیں، وہ قول کے سچے اور بات کے پکے ہوں، انہیں غریب مسلمانوں کے مسائل کی سمجھ بوجھ اور دینی احکام کا شعور ہو، ملت کے تمام افراد کے یکساں ہمدرد ہوں، وہ اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں۔ گزشتہ بائیس سالہ تجربہ شاہد ہے کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر اصلاح شدہ نمائندوں نے اسمبلیوں میں کیا گل کھلائے ہیں، اب پھر اسی قسم کے لوگوں کو آگے لانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس الیکشن اور اس کے بعد وجود میں آنے والے دستور سے جو توقعات وابستہ کی جارہی ہیں ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے ہو چکا ہے، یہ دستور سازی کا سارا وقت اکھاڑ پچھاڑ میں کھو دیں گے اور ۱۲۰/دن بعد کہا جائے گا کہ اسلامی دستور پر قوم کے نمائندے متفق نہیں ہو سکے، **لا فعل اللّٰہ ذٰلک**۔

جن لوگوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، دوبارہ ان ہی کا تجربہ کیے چلے جانا اور جن کی اسلامیت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے اور ان پر اعتماد کر لینا اس کا نتیجہ سوائے ندامت کے اور کیا ہوگا، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر چند کازمودم از وے نبود سودم

''من جرب المجرب حلت به الندامة۔''

''میں نے ہر چند اُسے آزمایا، مگر مجھے اس سے کچھ نفع نہ پہنچا۔ جو شخص تجربہ شدہ کو آزماتا ہے اسے ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''